

”وہ خوبصورت دھنیں کیا ہوئیں؟“ سنان نے کافی کی چکلی لیتے ہوئے پوچھا۔  
 ”اوہ— میں تو بھول گئی تھی“ اس نے جلدی سے انٹھ کر پنگ کے نیچے ایک  
 پرانا ریکارڈ پلیسٹر گھیٹ کر باہر نکال لیا ”میرے پاس جو ستار کا ریکارڈ ہے وہ ایک  
 فرانسیسی مویسکار کا ہے۔“

فضا میں پچھلی شب والی دلکش دھن پھر گونجئے گئے۔

جنینی نے سنان کو بتایا کہ وہ فرانس کے ساحلی شہر مارسیز کی رہنے والی ہے۔ اس  
 کی ماں فرانسیسی تھی اور باپ ایک الجزایری ملاح جو اس کی پیدائش کے فوراً بعد ان  
 دونوں کو چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ اس کی ماں نے بندراگاہ کے ساتھ ایک شراب خانے  
 میں ویٹرنس کی حیثیت سے نوکری کر لی۔ وہ سارا دن شراب خانے کے ایک کوئے میں  
 بیٹھی اپنی ماں کو سمجھتی رہتی جو گاہکوں کو بھگتا نے کے ساتھ ساتھ اس پر بھی نظر رکھتی  
 اور جب بھی فرصت ملتی تو جلدی سے اسے چاکیٹ یا دودھ کا گلاس تھما دیتی۔ جنینی  
 اس شراب خانے میں جوان ہوئی اور پھر ان پڑھ ہونے کی بنا پر چونکہ اسے اور کہیں  
 نوکری نہ مل سکی تو اس نے بھی ویس کام کرنا شروع کر دیا۔ اس دوران میں اس کی  
 ماں چل بسی اور وہ اپنا مختصر اٹاٹہ سمیٹ کر ایک نئے مستقبل کی تلاش میں پیرس چلی  
 آئی۔

”پیرس میں مجھے نئے مستقبل کی بجائے صرف خونگوار ماہول کی پیشکشیں ہوتی  
 رہیں جن کی مدت کبھی بھی دو چار گھنٹوں سے بڑھنے نہ پائی“ جنینی کے لمحے میں تھی  
 تھی۔ ”پہلے پہل تو میں نے شریشانہ زندگی گزارنے کی بھروسہ کوشش کی لیکن مجھے اس  
 میں بری طرح ناکامی ہوئی اور پھر آخر کار—“ وہ خاموش ہو گئی۔  
 ”اور پھر—“ سنان کے لمحے میں بے پناہ ہمدردی تھی۔

”بس پھر کیا!— میں بھوکی نہیں رہ سکتی۔ میں اس معاملے میں بجد کمزور واقع  
 ہوئی ہوں۔ اب تو یہ پیشہ زندگی کا معمول بن چکا ہے۔“ جنینی کی آنکھوں میں ہلکی  
 بلکی نئی تھی۔

نہن خاموش بیٹھا کافی پیتا رہا اور اس کی باتیں سنتا رہا۔

”پاسکل ہی اپاچ نہیں“ وہ سوچ رہا تھا ”اس دنیا میں اکثر لوگ اپاچ ہیں۔  
محدودی جسمانی نہ بھی ہو تو کبھی مجبوری اور کبھی بھوک ان کو اپاچ کر دیتی ہے۔“  
پھر جینی اپنے بچپن کی باتیں کرنے لگی۔ کس طرح چھٹی کے دن اس کی ماں  
اے ماریز سے باہر پکن پر لے جایا کرتی تھی۔ جنوبی فرانس کا خونگوار موسم اور  
چکلے دن جواب ایک خواب ہو کر رہ گئے تھے۔  
جینی آہستہ آہستہ باتیں کرتی رہی اور وہ خاموشی سے سنتا رہا اور پھر جینی کی آواز  
دھم ہوتی گئی۔ بالکل مدھم۔ جانے کب اسے گمراہ نہیں نہیں آیا۔

○○○

سنان کی آنکھ سکھلی تو وہ اسی صوفے پر دراز تھا جہاں پچھلی شب بینٹھ کر اس سے  
کافی پی تھی۔ ایک خوبصورت اور گرم کمبل اس کے گرد بڑی احتیاط سے لپٹا ہوا تھا  
اور اس کے سر کے نیچے ایک زم تکمیل پڑا تھا۔  
”بناشتہ؟“

اس نے آنکھیں ملیں اور سراخھا کر دیکھا۔ جیسی اس کے عین اوپر ایک ٹرے  
اخھائے کھڑی تھی۔

”ایک عدو نرم فرانسیسی بن، مکحن، جام اور گرم کافی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں  
نے ایک مرتبہ پھر تمہارے ہی ڈبے میں کافی لے کر بنائی ہے۔“

سنان پسلے تو فیصلہ نہ کر پایا کہ وہ کمال ہے اور یہ لڑکی کون ہے اور پھر یکدم اسی  
کے ذہن میں پچھلی شب کے تمام واقعات گھومنے لگے۔ اس نے جلدی سے کمبل اندر  
دوا اور صوفے سے اٹھ بیٹھا۔

”مجھے یہاں نہیں سوتا چاہیے تھا۔“ سنان نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے  
معذرت کی ”تھکن کی وجہ سے غنوگی کی طاری ہو گئی تھی اور شاید اس طرح نیدلے  
آلیا میں تھیں یقین دلاتا ہوں کہ میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔“ وہ بیدر نداست  
حسوس کر رہا تھا۔ جانے یہ لڑکی کیا سوچتی ہو گی۔

”اگر جان بوجھ کر بھی ایسا کرتے تو کوئی فرق نہ پڑتا۔“ جیسی نے ٹرے پتاں پر رکھ  
دی اور بن پر مکحن اور جام لگا کر اس کے سامنے رکھ دیا ”غلطی میری تھی جو اتنی دیر  
تک باتمیں کرتی رہی۔“

”بچھے بھاگ دیا ہوتا“ سنان نے قدرے بے رخی سے کہا۔

”پہلے ہاشم“ جینی کے لمحے میں بیدنہاہٹ تھی۔

اس نے بھورے رنگ کا ایک نمایت خوبصورت اونی لباس پہن رکھا تھا اور وہ پہلی سکول کی ایک نو عمر طالبہ لگ رہی تھی۔

ہاشم سے فارغ ہو کر اس نے جینی کا شکریہ ادا کیا۔ ایک مرتبہ پھر وہاں سو جائے پڑھدست کی اور کمرے سے باہر آگیا۔ اپنے کمرے کا دروازہ کھولنے سے قبل اس نے یونی مز کر دیکھا جینی ابھی دروازے کے ساتھ نیک لگائے مسکرا رہی تھی۔ سنان بھی مسکراتے بغیر نہ رہ سکا۔

کیا بات ہے؟“

”کچھ نہیں۔“ وہ مسکراتی رہی۔

”کچھ تو ہے۔“

”کیا آج بھی پیرس میں کل کی طرح اکیلے ہی گھومتے رہو گے؟“

”ہاں۔۔۔ کیوں؟“

”اے ہی پوچھا تھا۔“

”پھر بھی۔“

”اگر تمہیں گائیڈ کی ضرورت ہے تو میں حاضر ہوں۔“

”اتئے خوبصورت گائیڈ صرف پیرس میں ہی ملتے ہیں۔“ سنان نے جینی کا مدعا جان لیا تھا۔

”اور بلا معاوضہ“ جینی کھل اٹھی ”میرا بھی لباس کام دے جائے گا یا کوئی اور پہن لوں؟“

سنان سوچ میں پڑ گیا۔ صرف دوستی اور رفاقت کی حد تک وہ صفت نازک سے میل جوں کا قائل تھا مگر اس سے آگے جانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ سیاحت کے بھی چند اصول ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک کم از کم سنان کے لیے یہ تھا کہ صرف

صف نازک کی بندش سے اس کے پاؤں کسی ایک جگہ رکنے نہ پائیں۔ کہیں رک جانے سے تو سیاحت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا تھا۔ سفر کا مطلب ہے لگا تار حرکت اور جب قدم رکنے پر مائل ہوں تو — نہیں!

اس نے جینی کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بلا کی مخصوصیت تھی۔ اسے اس وقت دیکھ کر کوئی بھی اس کے ”پیشے“ کا تعین نہیں کر سکتا تھا۔ ایک ایسا پیشہ جس کا ہم لیتے ہی زبان رکنے لگتی ہے۔

جینی میں نے آج صبح لدور کا عجائب گرد دیکھنے جانا ہے۔ ظاہر ہے تم دقاونی تصویریں اور شکستہ مجتنے دیکھنا پسند نہیں کرو گی۔“

”ظاہر ہے۔“ جینی نے آہستہ سے کہا۔ اس کے لبھے میں مایوسی تھی۔ سنان کے دل میں چھپے ہوئے چور نے پول کھول دیا ”تم اگر پاسکل سے مٹا پسند کر سکتے ہو تو پھر جینی نے کیا قصور کیا ہے؟ یہی ناکہ تم ایک ایسی لڑکی کے ساتھ باہر نہیں جانا چاہتے جو سوسائٹی کی نظروں میں نیچ ہے۔“

”دیکھو جینی۔“ سنان نے ارادہ بدل لیا ”میں پچھلے پرو والیں آؤں گا اور پھر ہم دونوں باہر گھونٹنے چلیں گے۔“

”ہاں ضرور۔“ جینی کا آزر دہ چہرہ دکھ اٹھا ”میں آج ”کام“ سے بھی چھپتی کر لوں گی۔“ اگرچہ پیرس میں مختصر قیام کے دوران میں اسے بیٹھار دلچسپ ہستیوں سے پالا پڑا تھا مگر جانے کیوں سنان اس شر میں آکتا ہے اور بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ اس بو سیدہ مکان میں برسوں سے مقیم ہے جینی اور میڈم ڈی سے اس کی پرانی شناسائی ہے۔ اس نے فیملے کیا کہ وہ کم از کم آج تمام دن پیرس کی تاریخی عمارتوں اور مشور مقامات دیکھنے میں گزارے گا۔ وطن والیں جا کر دوستوں کے سامنے اس کا حشر ظہور جیسا نہ ہو۔

اس کا ایک قریبی دوست ظہور امریکہ سے واپسی پر پیرس میں ایک روز قیام کرنے کے بعد جب وطن لوٹا تو یار دوستوں نے اس کی دعوت کی۔ فخر نے جوان سب

میں سے زیاد پڑھا لکھا اور دنیا گھوٹے ہوئے تھا پوچھ لیا "یار ظہور پیرس میں کیا کیا  
دیکھا؟" اب ظہور جو رات کے کسی پر پیرس پہنچا تھا اور صبح سوریے کراچی کی فلاٹ  
پر سوار ہو گیا تھا قدرے گھبرا گیا کرنے لگا "یار بہت سمجھ دیکھا ہے۔ نہایت عمدہ شر ہے۔  
ہر طرف فرانسیسی ہی نظر آتے ہیں۔— زبان بھی فرانسیسی ہی بولتے ہیں" فخر نے  
یونی ہاک دی۔ "مسجد قربِ بھی دیکھی؟" ظہور نے فٹ جواب دیا "میں نے تو صبح کی  
نماز بھی وہیں پڑھی تھی" اسی طرح ایک اور دوست مصطفیٰ ٹکا گو سے واپسی پر اکثر ان  
خوبصورت دوپہروں کا ذکر کرتا جب وہ موسویوں کے ہمراہ سمندر کے ساحل پر ٹھیکانہ  
کرتا تھا یا رلوگوں پر خوب رعب پڑتا۔ حالانکہ ٹکا گو کے ساتھ سرے سے سمندر ہے  
ہی نہیں بلکہ ایک وسیع جھیل ہے۔ بہرحال سنان اس قسم کا کوئی خطہ مول لینے کے  
لئے تیار نہ تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ آج پیرس کے تاریخی مقامات دیکھنے کے بعد وہ  
کل ہسپانیہ چلا جائے گا۔

کپڑے تبدیل کر کے وہ نیچے ہال میں آگیا اور باہر جانے کو تیار تھا کہ میڈم ٹھی  
سے مٹھ بھیڑ ہو گئی۔ سنان اپنی قمت کو کوستا ہوا کھڑا ہو گیا۔  
"رات بڑی دیر تک جینی کے کمرے میں موسیقی کی دھنیں بھتی رہیں۔ مشرق  
موسیقی کی دھنیں" میڈم ٹھی نے بڑی معنی خیز مسکراہٹ لیوں پر لاتے ہوئے کہا۔  
"کون جینی؟" سنان کا چڑھ باکل پاسٹ تھا۔

میڈم ٹھی نے اندر میں جو تیر پھینکا تھا وہ نشانے پر نہ بیٹھا چنانچہ اس نے  
بات بدی اور زمانہ جوانی کی ایک بھولی بسری ادا تازہ کرنے کی کوشش میں لب سکیز کر  
کرنے لگی۔

"تم اس مکان میں رہنے والے تمام کرایہ داروں سے بالکل مختلف شخصیت کے  
مال ہو۔"

"پاکستانی ہونے کی وجہ سے شاید!" سنان نے ٹائی کی گردہ درست کرتے ہوئے  
پوچھا "نہیں نہیں" وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

”میرے نقش و نگار میں کوئی خامی ہے کیا؟“ اس نے طنزیہ انداز میں اپنی ٹاک پر  
ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

”بہت ہی دل کش ہیں“ میڈم ٹری نے اپنی چپٹی ٹاک سکیدڑی۔  
”پھر؟“ سنان کے چہرے پر بیزاری تھی۔

”تم دو روز سے یہاں مقیم ہو۔ کل صبح سویرے اٹھ کر شرپڑے گئے تھے اور ہم  
سرشام واپس آکر سور ہے تھے۔ آج بھی اتنی سویرے تیار ہو کر باہر جا رہے ہو۔“  
”اس میں کوئی عجیب بات ہے؟“

”تم پیرس میں ہو نوجوان“ میڈم ٹری نے دونوں آنکھیں بیچ کر چپل بننے کی  
کوشش کی ”تمہیں تو چاہئے کہ صرف سرشام ہی باہر نکلو۔ تمام شب کسی شوخ جگہ  
میں بسر کرو مثلاً مالن روڑ، لینڈو، کریزی ہارس یا فائلر کی شبینہ کلب میں۔ اور  
پھر۔ صبح سویرے ایک چھوٹی سی موٹی سی عورت بغل میں دابے اپنے کمرے میں  
لوٹ آؤ۔“

چھوٹی سی موٹی سی عورت کی اصطلاح غالباً فرانسیسی سے مستعار ہی گئی تھی۔  
”میں ایسی رومانی ہم جوکی کے لیے موزوں نہیں ہوں“ سنان نے جان چھڑانے کی  
غرض سے کما اور پھر اس سے پیش کر کے میڈم ٹری کوئی اور نادر مشورہ دیتی وہ مکان سے  
باہر آچکا تھا۔

آج پیرس کا آسان گھنٹے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور بارش کے آثار تھے۔ نکل  
بھی قدرے بڑھ گئی تھی۔ گلی میں خلاف معمول بہت کم لوگ تھے۔ قوہ خانوں کے باہر  
فٹ پاٹھ پر پڑی کریاں بھی خالی پڑی تھیں اور ان کے دروازوں پر خنکی اور متاثر  
بارش کے پیش نظر پردے ڈال دیئے گئے تھے۔ سنان نے اپنے بازور پر پڑی ہوئی سنبھ  
بر ساتی پہن لی اور کالر اوپر کر کے لودر کے عجائب گھر کی جانب پیدل ہی چل دیا۔ تھوڑا  
ایک گھنٹے کے بعد جب وہ تو لیزز کے وسیع اور خوبصورت باغ کے پہلو میں واقع ہوئے  
کی پر شکوہ عمارت کے صدر دروازے پر پہنچا تو وہاں کڑے دربان نے اسے بتایا کہ

اج ہنگہ وار چشمی ہے اس لئے عجائب گھر بند رہے گا۔ کل تشریف لائیے۔  
 ”واقعی انگریز فرانسیسیوں کے بارے میں درست کتے ہیں“ نان نے مایوس ہو کر  
 سوچا۔ ان مینڈکوں جیسا کہ انگریز انہیں پکارتے ہیں، کی ہربات الٹی ہوتی ہے۔ ان کی  
 دلیل روشنی و ابیات حد تک لمبی ہوتی ہے۔ گز دو گز لمبائی معمولی بات ہے ملاقات پر  
 ایک دوسرے کو نہایت بے شری سے گالوں پر چڑاخ چڑاخ بوسے رسید کیے تو انگریزوں کے  
 فرانسیسی صدر نے چھل کے گالوں پر چڑاخ چڑاخ بوسے رسید کیے تو انگریزوں کے  
 چہرے کئی دونوں ٹک سرخ رہے۔ ”جنپی اختلاط“ کا ذکر کرتے ہوئے ذرہ بھرنیں  
 شہرت۔ کھانے کے معاملے میں بھی بجد خوش خوراک واقع ہوتے ہیں مینڈکوں کے  
 ساتھ ساتھ گھوڑے بھی کھا جاتے ہیں اور پھر۔ جیسا کہ آج ثابت ہوا تھا اپنے  
 عجائب گھر کی مناسبت وہ مثلاً اتوار وغیرہ کی بجائے منگل کے روز بند کرتے ہیں۔“  
 ”اب کیا کیا جائے؟“ اس نے یونانی ستونوں کے لمبے برآمدے میں کھڑے ہو کر

سوچا۔

بوندا باندی شروع ہو چکی تھی اور تولیتزر کا باغ ہلکی چھوار میں بھیگ رہا تھا۔  
 پھولوں کے تختے اور شاہ بلوط کے درخت اور بھی نکر آئے تھے۔  
 ”دریائے سین کے کسی خوبصورت پل کے نیچے بیٹھ کر بارش کا نظارہ کیا جائے  
 بارش تھمنے پر کوئی اور پروگرام بنایا جائے گا“ اس نے فیصلہ کیا اور لوور کی عمارت سے  
 کھل کر سامنے کنکورڈ کے وسیع و عریض چوک میں آگیا جہاں بہنہ عورتوں کے  
 مجھتوں پر آؤزیں اپانی کے تھالوں میں سے درجنوں فوارے ابل رہے تھے۔ چوک کی  
 دوسری جانب دریائے سین کا سب سے خوبصورت پل ”سکندر سوم“ تھا جس کے پہلو  
 میں سے نیچے دریا کی سیڑھیاں جاری تھیں۔ نان نیچے اتر گیا۔

پل کے نیچے پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہاں بیٹھ کر بارش سے لطف اندوز ہونے کا  
 لامبا خیال اس سے پہلے اور لوگوں کے ذہن میں بھی آپکا تھا جواب وہاں جمع  
 تھے۔ پھر کے فکار پر آئے ہوئے بوڑھے فرانسیسی، تھنے آوارہ گرد، امریکی سیاح

اور پھر پیرس کا ثیڈ مارک یعنی ایک دوسرے کی پاہوں میں لپٹے ہوئے دنیا و ماہیا رے  
بے خبر فوجوں جوڑے۔

جس سکون کی خاطر سنان آیا تھا وہ یہاں محفوظ تھا۔ اس نے بے ترتیب بھوم،  
ایک نظر ڈالی اور پھر سیدھیاں طے کر کے واپس سڑک پر آگیا۔

دریا کے پار نپولین کا مقبرہ ”آزوالید“ نظر آ رہا تھا جہاں ایک عالی شان ہال کی  
دیواروں پر وہ تمام جھنڈے آؤیزاں ہیں جو نپولین نے اپنی عظیم جنگی کامیابیوں کے  
دوران میں مفتوح فوجوں سے چھینے تھے۔ کہتے ہیں نپولین کو ایسے جھنڈے اور پرچم جن  
کرنے کا بیدر شوق تھا۔ بیسی شوق اسے کشاں کشاں ماسکو لے گیا۔ واپسی پر وہ ایک لا  
روی جھنڈے بھی لے کر آیا مگر اس ہال میں آؤیزاں جھنڈوں سے دگنے رو سیوں کے  
ہاتھوں گناہ بیٹھا۔ سنان نے سوچا کہ اور کچھ نہیں تو نپولین کی قبر کی زیارت ہی کر لی  
جائے۔ کم از کم وہاں بارش سے تو بچاؤ ہو گا۔

”آزوالید“ جانے کے لیے سنان سکندر سوٹم پل پر آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔ اس  
کے دائیں ہاتھ پر پیرس کی دلکش عمارتوں سے پرے کیسا یکرے کر کے مشقی گندہ نظر  
آ رہے تھے وہ پیرس کے آسمان پر بکھرے ہوئے گھنے بادلوں میں سے چھنتی ہوئی پھوار  
میں بھیگتا، پیرس اور پیرس والوں کو صواتیں سناتا چلا جا رہا تھا کہ کنکورڈ چوک کی  
جانب سے ایک تیز رفتار نیلی سپورٹس کار نکلی۔ چوک کے درمیان بلند فواروں سے  
نکراتے نکراتے پسی اور پھر سکندر سوٹم پل کا رخ کر لیا۔ سنان جلدی سے فٹ پانچ  
سے ہٹ کر پل کے جنگلے کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ نیلی کار سیدھی اس کے پاس آئی اور  
ایک دھچکے کے ساتھ ساکن ہو گئی۔ ڈرائیور نے کھڑکی کا شیشہ سر کایا۔ سنان کی جانب  
دیکھا اور پھر ہکلاتے ہوئے نوٹی پھوٹی فرانسیسی میں کہنے لگا۔

”پارے۔ دو۔ فرانے مو سیو؟“

”وہ غالباً سنان کے مشقی خدو خال کی وجہ سے اسے ان لاتعداً الجزاً یوں میا  
سے ایک سمجھ رہا تھا جو پیرس میں آباد ہیں اور اسی لیے فرانسیسی میں حفظ کرنے کا

کوشش کر رہا تھا۔

”معاف سمجھنے گا میں فرانسیسی سے ناولد ہوں“ سنان نے انگریزی میں جواب دیا۔  
”اوہ یوائے“ ڈرائیور کا الجہ امریکی تھا ”خدا کا شکر ہے کہ تم انگریزی بول سکتے ہو  
میں پچھلے ایک گھنٹے سے کسی ایسے شخص کی تلاش میں تھا۔“  
”فرمائیے“ سنان جگنے سے ہٹ کر کار کے پاس چلا آیا۔

”وراصل میں لوور عجائب گھر کا رستہ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ مونا لیزا  
والا۔“ اس نے باچھیں کھلا کر مونا لیزا کی مشہور زمانہ مسکراہٹ کی بھدی لقل  
اتارتے ہوئے پوچھا۔

”کنکورد چوک کے جن فواروں سے آپ گھراتے گھراتے بچے ہیں ان کے  
دائیں ہاتھ پر چلے جائیں۔“ دیسے لوور میں آج ہفتہ وار تعطیل ہے۔ میں وہیں  
سے ہو کر آیا ہوں۔“

”اوہ ڈیم“ ڈرائیور نے مایوسی کے عالم میں اپنی ران پر ایک نوردار گھونسا رسید  
کیا اور زیر لب بڑھانے لگا ”ہائے مونا لیزا کی مسکراہٹ۔“  
چھوار اب تیز ہو چلی تھی۔

سنان وہاں کھڑے ہو کر بھیگنا نہیں چاہتا تھا اس لیے آگے چل دیا۔  
امریکی نے بھی کار شارٹ کی اور سنان کے پیچھے پیچھے فٹ پاٹھ کے ساتھ چلانے  
لگا۔

”اے بھائی۔ تم ہندوستانی ہو؟“ امریکی نے کار میں سے جماٹکتے ہوئے پوچھا۔  
سنان جلا کر کھڑا ہو گیا۔ امریکی نے بھی فوراً کار روک لی۔  
”میں پاکستانی ہوں۔ سمجھے؟ پاکستانی!“ یہ کہہ کر سنان پھر چلنے لگا۔  
امریکی اب پھر اس کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔

”اے بھائی پاکستانی۔“ امریکی نے دانت نکالتے ہوئے کہا ”اگر تمیں فرصت  
ہے تو میرے ساتھ کار میں بیٹھ جاؤ اور نیولین کے مقبرے تک میری راہنمائی کرو۔“

سنان کو فرصت ہی فرصت تھی۔ اگرچہ پولین کے مقبرے کا گنبد بالکل سامنے دکھائی رہا تھا لیکن صرف بارش سے بچتے کی خاطر اس نے یہ دعوت قبول کر لی اور کار میں بیٹھ گیا۔

امریکی کا نام ہیری تھا اور وہ جرمنی میں مستین امریکی فوج میں دو سال کی ڈیوٹی پوری کر کے دہن جانے سے قبل یورپ کی سیر پر لگلا ہوا تھا۔ اکثر امریکی سیاح کی طرح وہ بھی سات روز میں سات یورپی ملک دیکھ ڈالنا چاہتا تھا۔

”بچتے ہیشہ سے ہی افریقہ کے بارے میں جانے کا بیجد اشتیاق رہا ہے“

امریکی کہہ رہا تھا ”ہیر شیر۔ ہاتھی وغیرہ“

سنان کا موڑ خراب ہو گیا۔ اس کا گندمی ماں کل رنگ اتنا بھی گندمی نہ تھا کہ اس پر ایک جبھی ہونے کا گمان ہو۔

”بکھی افریقہ جانے کا اتفاق نہیں ہوا“ سنان نے منہ بنا کر کہا۔

”ہائیں“ امریکی نے حیران ہو کر منہ سکھول دیا ”یہ پاکستان وغیرہ اور نہیں ہے

کیا؟“

”ہماری مغربی سرحدیں ایران اور افغانستان کو چھوٹی ہیں“ سنان نے وضاحت کرنا چاہی۔

”آہا۔ ایف گانس ٹان۔ کا نام میں نے سن رکھا ہے بلکہ میں تو وہاں کی جری بوسٹوں کا بیجد شیدائی ہوں۔“

”کس حرم کی جری بوسٹاں؟“

”چرس۔۔۔ حشیش۔۔۔“ امریکی نے آنکھیں سمجھاتے ہوئے جواب دیا اور ساتھ ہی کار فٹ پاٹھ کے ساتھ روک لی ”ایک دم لگا لیں پھر پولین سے بھی مل لیں گے۔۔۔“

سنان خاموشی سے امریکی کو دیکھتا رہا۔۔۔ ٹھلل سے ہی کریک لگتا تھا۔

امریکی نے کار کے کپار ٹھنڈت میں سے ایک سرخ ہندیوں والا ایک لمبا پاپ نکالا

لوہ بھر کوٹ کی اندر ہونی جیب میں سے ایک پھرے کی پوٹی نکالی۔ پوٹی میں کالے رنگ کے تمباکو سے ملتی جلتی کوئی چیز تھی جسے الگیوں سے اچھی طرح مسل کر اس نے پاپ میں رکھا اور ماچس سے سلاکی۔ ایک انجانی اور ناگوار قسم کی بو کار میں پھیل گئی۔ سنان کو ہرات کا ہوش بزرادیاد آگیا جس کے کروں میں اس قسم کی بو ہوا کرتی تھی، ہوش کے ہال میں ایک بورڈ پر سیاحوں کو متینہ کیا گیا تھا ”میاں چرس پینا تقریباً منع ہی سمجھیں۔“

امریکی نے ایک لباس لگایا اور ساتھ ہی اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں سرخ ڈورے تیرنے لگے۔

”تم جنت چری ہے“ سنان کو کراہت آگئی۔

امریکی نے ایک اور کش لگایا اور پاپ کو دونوں ہاتھوں میں بیجد احتیاط سے ایسے پکڑا چیزے وہ کوئی نادر قسم کا کچوتہ ہو جس کے اڑ جانے کا احتمال ہو اور سنان کی طرف پہنچا دیا۔

”ڈریگ لو گے؟“

پورپی چ سیبوں کی زبان میں ڈریگ کا وہی مطلب ہوتا ہے جو پنجابی میں ”یار سوٹالا“ کا ہوتا ہے۔

”ڈریگ تو نہیں البتہ مربانی کر کے مجھے یہیں ڈریپ کر دیجیے“ سنان نے باہر نکلنے کی نیت سے دروازے کے پینڈل پر ہاتھ رکھ دیا۔

”نہیں یار“ امریکی ایک دم گز گزانے لگا۔ مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔ میں اکیلا رہ جاؤں گا اور پولین کا مزار نہیں دیکھ پاؤں گا۔ ہائے پولین“ اور ساتھ ہی سنان کا ہاتھ کپڑا لیا۔

”اوہ عجیب مصیبت ہے“ سنان کو بیجد غصہ آ رہا تھا ”میرا تو اس بدلو سے دم گھٹا جا رہا ہے۔“

”میں کار کی کھڑکیاں کھول دیتا ہوں۔۔۔ دروازے کھول دیتا ہوں۔۔۔ بانٹ

کھول دیتا ہوں۔ ہر چیز کھول دیتا ہوں" امریکی نے بجدست روی سے کار کی ایک کمڑکی کا شیشہ آہستہ آہستہ نیچے کر دیا اور باہر پھونکیں مارنے لگا جیسے کار میں جو دھوئیں کو باہر نکال رہا ہو۔

"جسھے بجد افسوس ہے۔۔۔ بے حد۔۔۔ ہو ہو" امریکی بڑا بڑا رہا تھا۔

"لیکن میرا خیال تھا کہ تمام ایشائی چس ضرور پیتے ہیں۔۔۔ نپولین بھی پیدا تھا۔۔۔ جوزفین بھی۔۔۔" وہ رک کر بجد آہستہ بات کر رہا تھا جیسے اسے بولنے میں وقت پیش آری ہو۔

نان اپنے آپ کو کوس رہا تھا کہ اس نے خواہ مخواہ یہ مسیبت مول لے لی اس سے بہتر تھا کہ باہر بارش میں ہی کھڑا بھیکلتا رہتا۔

"سب کچھ رکھیں ہے۔۔۔ ایسے ایسے رنگ جو عام آدمیوں کو کبھی بھی دکھائی نہیں دیتے۔۔۔ میں ان زبانوں میں سیر کر رہا ہوں جب پرس کی تاریخی عمارتیں تغیر ہو رہی تھیں۔۔۔ فرانسیسی بادشاہ میرے حضور میں کھڑے ہیں۔۔۔ یہ موٹا آدمی چارلس ہے۔۔۔ ہنری ہے۔۔۔ ادھر لوئی اونگھ رہا ہے اور وہ کوئے میں جو نہ گناہ سا شخص کھڑا ہے وہ نپولین ہے۔۔۔ ہائے نپولین" امریکی جھوم رہا تھا۔

اب اگر نان چاہتا تو بڑی آسانی سے کار سے نکل کر اس چری چمنکارا حاصل کر سکتا تھا مگر ایک تو باہر ابھی تک بارش ہو رہی تھی اور دوسرے اسے اس امریکی پر ترس بھی آ رہا تھا۔ اس نے جیب سے سگرٹ نکال کر سلگانا چاہا۔

"میں جلا دیتا ہوں میرے دوست۔۔۔ میں تو تمہارا خادم ہوں۔۔۔" امریکی نے کاپنے ہاتھوں سے ماچس میں سے دیا سلانی نکالی اور جلانے کی کوشش کرنے لگا۔ نان کافی دیر تک سگرٹ انگلیوں میں لیے بیٹھا رہا مگر امریکی سے ماچس نہ جل سکی۔ نان نے خود ہی سگرٹ جلا لیا۔

"جل گئی" امریکی نے ایک دم نعرو لگایا۔ اس کے ہاتھوں میں جلتی ہوئی دیا سلانی تھی "سگرٹ سلاکا لو میرے دوست"

ننان مکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

”شکریہ۔۔۔ لیکن میں سُگرت جلا چکا ہوں۔۔۔“

”ایک مرتبہ پھر جلا لو بلکہ دو مرتبہ، تین مرتبہ، چار۔۔۔“ اس نے باقاعدہ گردان شروع کر دی یہاں تک کہ جلتی ہوئی دیا سلامی اس کی الگیوں میں پہنچ کر راکھ ہو گئی۔ ”تمہاری انگلی تو تمیں جلی“ ننان نے امریکی سے پوچھا جو اسی طرح جلی ہوئی دیا سلامی الگیوں میں دیائے بیٹھا تھا۔

”انگلی۔۔۔ کون سی انگلی۔۔۔ میری کوئی انگلی نہیں ہے۔۔۔“

”ہم از کم یہ دیا سلامی تو باہر پھیٹک دو“ ننان نے جلا کر کما۔

”دیا سلامی باہر پھیٹک دوں تو تم سُگرت کیسے جلاوے گے۔۔۔“

جلا لو میرے دوست۔۔۔“ اس نے دیا سلامی کا جلا ہوا لکڑا ننان کے آگے کر دیا۔ ننان نے جان چھڑانے کی غرض سے اپنا جلتا ہوا سُگرت مجھی ہوئی دیا سلامی سے چھو لیا۔

”شکریہ! شکریہ!“ امریکی نے کئی مرتبہ جھک جھک کر کما اور پھر ایک مرتبہ اور جھکا تو دہیں ڈھیر ہو گیا اور اونچھنے لگا۔

تقریباً آدمی گھنٹے کے بعد اسے ہوش آیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں جو ابھی تک سرخ تھیں اور ننان کی طرف دیکھ کر مسکرا یا۔

”بڑی اعلیٰ کو والی کی تھی۔۔۔ اسی لیے نشہ زیادہ آگیا تھا“ اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا ”مجھے پانچ منٹ کی صلت دو میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا“ اس کے لمحے میں مخذرات تھی۔

”جباں پچھلے پچاس منٹ وہاں پانچ منٹ اور سی۔۔۔“ ننان نے ایک اور سُگرت سلاکتے ہوئے کما۔

”سُگرت کی راکھ مت جھاڑنا“ امریکی نے مشورہ دیا۔

”وہ کیوں؟“

”اس سے نشہ کم ہو جاتا ہے۔“

”اس سگرٹ میں عام قسم کا تمباکو ہے جو س فیس۔“

”ٹھیک کہتے ہو“ امریکی نے سر ہلا کر تائید کی ”ویسے جو س کے سگرٹ کی رائج  
جہاڑنے سے یقیناً نشہ کم ہو جاتا ہے۔“

تحوڑی دیر میں امریکی بالکل نارمل ہو چکا تھا یا کم از کم وہ اس بات کا دعویٰ فرو  
کر رہا تھا۔

اس نے سنان سے اپنے روئے کی بھرپور مخذالت کی اور کار شارٹ کر دی۔ سنان  
کو خدشہ تھا کہ شاید جو س کے اثرات کی ہا پر وہ کار ٹھیک طرح نہ چلا سکے لیکن اس  
کے خدشات بے بنیاد ثابت ہوئے۔ امریکی بڑی اچھی کار جلا رہا تھا اور بالکل نارمل ہو  
چکا تھا۔

”وائسیں ہاتھ پر نپولین کے مقبرے کو سڑک جاتی ہے“ سنان نے آزوالید کے گھر  
کی جانب اشارہ کر کے اسے پتا۔

امریکی نے فوراً کار روک لی اور پھر جیب میں سے ایک ڈائریکٹری نکالی جس کے ایک  
صفحے پر کچھ اس قسم کی فہرست تھی۔

### ”شریروپیرس“

(۱) آنکل ٹاور (۲) نپولین کا مقبرہ (۳) نیویارک کے مجسمہ آزادی کا اصلی ماڈل،

(۴) امریکن ایکسپریس سے ڈاک کی وصولی (۵) دریائے سین

(۶) کلیسا نوڑڈیم (۷) مان روڑ کا شینہ کلب (۸) مونالیزا

(۹) شانزے لیزے کے کسی قوہ خانہ میں کافی پینا اور فرانسیسیوں کو گھورنا  
نوٹ: اگر ہو سکے تو کسی فرانسیسی ”چپل“ لڑکی کے ساتھ انکھیلیاں۔

دوسرے صفحوں پر بھی اس قسم کی فہرستیں ”خونی برلن“ ”رومیوں کا روم“ اور

”یکسپریس کا نڈن“ کے عنوانوں تلتے درج تھیں۔ جن نمبروں پر نشان تھے وہ شاید اس  
لے دیکھے ڈالے تھے۔

ہبیں دیکھ لیا۔ اس نے پولین کے مقبرے کے آگے بھی کلیر سچنچ دی اور کارٹ شارٹ کر لی۔

”وریائے سین“ اس نے ایک مٹھنڈی آہ بھری اور فوراً آئندہ نمبر پانچ پر بھی کلیر سچنچ دی ”ہبیں اب نہ رائیک اور نو رہ گئے ہیں اور جیس مکمل ہو جائے گا مونالیزا کی تصویر کسی آرٹ کی کتاب میں دیکھ لینے سے گزارا ہو جائے گا۔“

ای سڑک کے آخر میں جب آنکل ٹاور کے پاس پہنچ تو امریکی نے اس کی تاریخ فر فر سنا دی۔ انجیسٹر آنکل کا کمال۔ اٹھتے لاکھ طلائی فرانک سے تغیر کردہ ۸۸۹ فٹ بلند و غیرہ وغیرہ۔

آنکل ٹاور کو دیکھتے ہی سنان کو پاسکل کی یادوں نے آ لیا۔ اس شب وہاں لکھتی رونق تھی۔ مگر آج ٹاور کے نیچے کا حصہ بالکل ویران پڑا تھا۔ بارش اڑتے ہوئے پتے اور فرش پر بھیکے ہوئے اخباروں کے پر زے، تصویری پوسٹ کارڈ بیچنے والوں کے کھوکھے بھی بند پڑے تھے۔ سنان نے سر اٹھا کر دیکھا تو دھند نے ٹاور کا مکمل طور پر گھیرا کر رکھا تھا اور پہلی منزل سے بالائی حصہ روپوش تھا۔

”میں بتنی لفٹ کے ذریعے ٹاور کی آخری منزل پر جا کر پھر اس شر کا نثارہ کروں گا۔“

امریکی نے کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے کہا۔

”لیکن بارش اور دھند کی وجہ سے جسمیں وہاں سے کچھ بھی تو دکھائی نہ دے گا۔“ سنان نے کھڑکی میں سے جھاٹک کر کہا۔

”ہلا۔ یہ تمہارا خیال ہے پاکستانی“ امریکی نے کوٹ کی اندر وہی جیب کی طرف اشارہ کیا اور ہنس دیا ”اس کا ایک کش اور دھند بارل وغیرہ غائب“

”تارے گئے“ سنان نے اپنے آپ سے کہا ”اب یہ کم بخت پھر کم از کم آدھا مٹھنڈ آنکل ٹاور کی چوٹی پر جا کر بے سدد پڑا رہے گا۔“

لیکن سنان کا خدشہ غلط ثابت ہوا امریکی پانچ منٹ میں ہی واپس آگیا اور حسب

معمول اپنی ڈائری جیب سے نکال کر آئکل ٹاور پر لکیر کھینچ دی۔

”وہ دھند اور بادل وغیرہ غائب ہو گئے تھے کیا؟“ سنان نے یہ تو فوں کی طرح سراہ کر دریافت کیا۔

”نہیں۔“ امریکی ہنس دیا ”میں مذاق کر رہا تھا۔— دراصل یہ چس میں سے آج ہی ایک بچپن سے خریدی تھی اور مجھے اس کی بڑھایا کو الٹی کا علم نہ تھا اس لئے یوں اونڈھا ہو گیا ورنہ عام طور پر تو جب میں کش لگا کر ڈیوٹی پر جاتا تھا تو میرے کمانڈنگ افسر تک کو علم نہ ہوتا تھا۔“

”تو پھر اس بارش میں دس فرائیں برتی لفت کے لکٹ پر ضائع کرنے کی برا ضرورت تھی جب کہ ٹاور کی آخری منزل سے کچھ بھی نظر نہیں آتا۔“

”میں وطن واپس جا کر دوستوں کے سامنے اس بات پر شرمende نہیں ہونا چاہتا تھا کہ بیرس بھی گیا اور آئکل ٹاور کی آخری منزل پر جا کر شہر کا دیدار بھی نہیں کیا سمجھے؟“

سنان نے یونہی سرہلا یا۔ ان امریکیوں کی منطق اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ ”میں نے نپولین کے مقبرے کے علاوہ آئکل ٹاور تک تمہارا ساتھ دیا ہے۔ اب اجازت ہے؟“ سنان نے پوچھا۔

”بالکل نہیں۔ ابھی تو آئئھم نمبر نو باقی ہے۔ یعنی شانزے لیزے کے کسی فدا خانے میں بیٹھ کر کافی پینا اور۔۔۔“ اس نے لچوں کی طرح سنان کو آنکھ ماری اور قتنہ لگا کر کہنے لگا ”کسی فرانسیسی۔۔۔ چنچل فرانسیسی لڑکی کے ساتھ۔۔۔ ہو لا لا۔“

چنانچہ اس نے کار شارٹ کر دی اور تھوری ہی دیر میں وہ شانزے لیزے؛ تھے۔ آج شانزے کا حسن بھی ماند پڑا ہوا تھا۔ فٹ پاٹھ ویران پڑا تھا لیکن قوہ خانوں کے باہر تھی ہوئی قاتلوں کے تلے بے شمار لوگ بیٹھے بارش کے رکنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ”تم نے چونکہ اپنے ہدایت نامہ پیرس پر عمل کرنا ہے اس لئے تم یہاں ضرور بیٹھ کر کافی پیو۔۔۔ میں نہیں پینا چاہتا۔“ سنان نے شانزے لیزے کے قوہ خانوں کی

منجھی کے لئے تجربے کی بنا پر انکار کرنا چاہا۔

”بیمار چس نہیں پینے تو کافی تو ضرور پیو۔“ امریکی نے اصرار کیا۔ بھر حال ویژہ ان کے آرڈر کا انتظار کیے بغیر ہی کافی لے آیا۔ اسے معلوم تھا کہ وہاں بیٹھنے والے آنڑے سیاہوں کی فرانسیسی صرف ایک ہی لفظ ”کافی“ پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اس مشروب کے علاوہ اور کچھ نہیں منگاتے۔

امریکی نے پانچ منٹ میں کافی ختم کی۔ چند لوگوں کو گھورا اور اپنی فرست کا آخری توٹ پورا کرنے کے لئے اٹھ کردا ہوا۔

”ہمیں میں شوت کروں؟“ امریکی نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔

”وہ کس خوشی میں؟“ سنان گھبرا گیا۔

”میرا مطلب تمہاری تصویر کھینچنے ہے۔“ امریکی نے جیب میں سے گرفت کے لائٹر کے جنم کا ایک ناخاماں کیرہ نکالتے ہوئے کہا۔

سنان کی تصویر کھینچ کر اس نے پھر اپنی ڈائری نکالی اور پیرس کے صفحے پر ”پاکستانی بھروس میں۔ تصویر کھینچی۔“

لکھ کر واپس جیب میں ڈالا اور ایک مرتبہ پھر چس پینے کے بارے میں بھرپور مذہرات کر کے پگال کے بدنام علاقے کی طرف چلا گیا جہاں امریکی ڈالر بڑی آسانی سے ۱ ملکیلیوں میں تبدیل کوائے جاسکتے ہیں۔

سنان کی پیالی میں ابھی تھوڑی سی کافی باقی تھی۔ بارش اب اتنی تیز نہ تھی  
گرسنگوں اور میزوں کے اوپر تھی ہوئی قات کے ایک کونے سے پانی کے قطرے ہو رہے تھے۔ وہاں بیٹھنے ہوئے لوگ اٹھ کر اندر چلے گئے۔ سنان اس بیکھرے ہوئے ہوم میں شہر کی تاریخی عمارتیں دیکھنے کے موڑ میں نہ تھا اس لئے وہاں بیٹھا رہا۔ اس پیالی اٹھا کر آخری گھوٹ بھرا۔ کافی بخ ہو چکی تھی۔

اسے یاد آیا کہ اس نے آج دوپر جینی سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ بارش تھم جائے تو پھر چلا جائے اس نے سوچا۔

”اوہ۔ آج کتنی سردی ہے“ ایک غصہ تھی ہوئی آواز آئی  
اس کے ساتھ والی میز پر ایک خوبصورت لڑکی اپنے ساتھی بُوکے کے بینے،  
دونوں ہاتھ جملے بڑے پیارے کہہ رہی تھی۔

سنان کو انگلستان سے فرانس آتے ہوئے سیر پر گزاری ہوئی شب یاد آگئی۔  
پاسکل نے بھی تو یہی کہا تھا۔

پھر اس کے ایک قوہ خانے میں بیٹھنے ہوئے اس اداس دوپر سنان کے بینے میں  
اب صرف مشتعل جذباتیت کی لمبی الم رہی تھیں۔ اس کے ذہن میں جینی سے کیا ہوا  
 وعدہ بھرم ہو آگیا اور پاسکل کے کنے ہوئے بال اور نیلی آنکھیں ابھرنے لگیں۔

اس کے سامنے قوہ خانوں اور دکانوں کے شوکیسوں میں سے پھوٹی ہوئی روشنی  
کی کرنیں گیلے فٹ پاتھ پر منکس ہو رہی تھیں۔ فٹ پاتھ کے سینٹ پر چکے ہوئے  
شاہ بلوط کے خزان ریسیدہ پتے کسی جدید صور کے شاہکار کی صورت میں ابھر رہے

بادش کی وجہ سے درخت اور بھی نکر گئے تھے۔ نان اپنی برساتی کی جیبوں میں  
ہاتھ والے فٹ پاٹھ کی گلی سطح پر نظریں جائے پاسکل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔  
باش میں اس شب پاسکل سے اس کے گمراہ کا پتہ ہی دریافت کر لیتا۔ کم از کم اسے  
خلاص کر کے اس شب دیر سے آئے کی مذہرات تو کر سکتا۔ جانے وہ میرے بارے  
میں کیا سوچتی ہو گی؟ اس وقت شاید وہ بھی میری ہی طرح اسی شر میں کہیں اپنے  
کمرے کی کمرکی میں بیٹھی باہر برستی بادش کو تک رہی ہو گی؟ ہو سکتا ہے وہ بھی میرے  
بارے میں سوچ رہی ہو۔

نان کی نہاہیں گلے فٹ پاٹھ سے ہٹ کر سامنے خلا میں ایک سکتے پر مرکوز ہو  
گئی۔ مختلف چرے اس سکتے کی زدوں میں آتے اور ایک متحرک سائے کی مانند آگے  
بڑھ جاتے۔ بوڑھے فرانسیسی بیری نوبیاں پہنے ہوئے۔ فیشن ایبل نوجوان لڑکیاں  
جن کے رنگ برتنے چھاتے ان کے ساتھی لوگوں نے تمام رکھے تھے اور خود بادش  
میں بھیکتے چلے جا رہے تھے۔ لبے بالوں والے رپتی جو موسم کی سختیوں سے بے خبر  
اپنی دھن میں مگن جھوٹتے جا رہے تھے۔ فیر ملکی سیاح جو بادش سے پناہ لینے کی  
خاطر ہر قوہ خانے میں جھاٹکتے اور پھر کوئی جگہ نہ پا کر آگے بڑھ جاتے۔ بوڑھی  
مورتیں ہاتھ میں خوراک کے بندل تھے۔ چرے گزرتے گئے اور نان بے  
دھانی میں اسی ایک نقطے پر نظریں جائے گھورتا رہا۔ ایک سیاح۔ ایک بوڑھی  
مورت۔ چند بچے۔ ایک اور سیاح۔ ایک لڑکی۔ ایک اور۔ پھر ایک  
چوڑا اس سکتے کی زدوں آیا۔ خوبصورت اور بھولا سا چوڑا۔ کئے ہوئے کالے بال اور  
اور پھر نان کی نظریں میں ایران کے سارے آسمان کی نیلاہت مخدود ہو گئی۔  
”پاسکل“ اس کے دھڑکتے ہوئے دل نے دہائی دی۔

وہ ہر برا کراپنی کری سے اٹھ بیٹھا جیسے کسی خواب سے بیدار ہوا ہو۔ اور پھر قوہ  
خانے میں بیٹھے لوگوں سے نکلا تا۔ کرسیوں اور میزوں کو پھلانگتا انہا دھنڈ گلے فٹ  
ہاتھ پر بھاگنے لگا۔